وادی چھچھ کا جغرافیائی پس منظر اور یہاں مسلمانوں کی آمد تاریخ کے آئینے میں: ایک تجزیاتی مطالعہ

Geographical Background of the Chhach Valley and the Arrival of Muslims Here in the Mirror of History: An Analytical Study

Anees Ahmad
M.Phil Scholar, Islamic Studies Alhamd Islamic University, Islamabad
ORCID: https://orcid.org/0009-0003-7452-6443
Email: aneesriaz43@gmail.com
Murad Ahmad
Ph.D Scholar Department of Islamic Studies, AWKUM Mardan
ORCID: https://orcid.org/0000-0003-2101-3612
Email: ahdmurad1@gmail.com
Aleen Begum
M.Phil Scholar, Islamic Studies, Alhamd Islamic University, Islamabad
ORCID: https://orcid.org/0009-0000-1537-8602
Email: begumaleen5@gmail.com

Abstract

The Chhach Valley, a region nestled within the rich geographical tapestry of South Asia, serves as an intriguing focal point for examining the historical arrival of Muslims and their enduring influence on the region. This abstract offers a glimpse into the geographical background of the Chhach Valley and the transformative journey of Muslims in this region through the lens of history.

The Chhach Valley, situated in the northwestern part of present-day Pakistan, is characterized by its diverse landscape, featuring fertile plains, lush green fields, and meandering rivers. This geographical setting has played a pivotal role in shaping the socio-economic dynamics of the region over centuries.

The arrival of Muslims in the Chhach Valley is a captivating tale that intertwines with the broader history of Islamic expansion in the Indian subcontinent. Historically, the valley has witnessed waves of migration and settlement by Muslim communities, which have left an indelible mark on its culture, society, and religious landscape.

The historical narrative reflects a rich tapestry of conquests, trade routes, and cultural exchanges that have left their imprint on the Chhach Valley. From the earliest Arab traders to the Ghaznavid and Ghurid invasions, followed by the Delhi Sultanate and Mughal rule, each era has contributed to the evolving identity of the valley.

Muslims in the Chhach Valley have not only been pivotal in the dissemination of Islamic culture and knowledge but have also actively participated in the agricultural and economic development of the region. This fusion of Islamic traditions with the valley's indigenous culture has given rise to a unique blend that continues to thrive today.

حضرو (چھچھ) کا تعارف

ضلع اٹک کی کل چھ تحصیلیں ہیں اٹک، پنڈیگھیب، حسن ابدال، فتح جنگ، جنڈ اور حضرو، تحصیل حضرو کا پرانا اور

مشہور نام چھچھ ہے جو کہ وادی چھچھ کے نام سے مشہور و معروف ہے اور یہ علاقہ چوراسی دیہات پر مشتمل ہے حضرو اس علاقے کا تجارتی مرکز ہے۔ حضرو شہر پہلے تین محلوں پر مشتمل تھا(1) ارتک (2) عبدل یا گڑھی گجر خان (3) حضرو۔ اب حضرو میں محلہ عظیم خان، گڑھی گجر خان میں محلہ عبدل اور ارتک میں محلہ قاضی پورہ شہباز گڑھ اور اشرف پورہ شامل ہیں حضرو کے بانی حضرو بابا کی قبر شہر سے آدھا میل کے فاصلے پر شمال کی جانب واقع ہے۔

تین سو سال قبل حاضر خان نے حضرو کی بنیاد رکھی بعض کتابوں اور مخطوطات میں حضرو کو حیدرو بھی لکھا گیا ہے۔ جغرافیہ ضلع راولپنڈی میں حضرو شہر کی کیفیت یوں بیان کی گئی ہے کہ:

> "حضرو شہر میں کھجور کے درخت ہیں۔ حضرو کی مساجد کے اونچے اونچے سفید گنبد دور سے نظر آتے ہیں حضرو کی آبادی 7580 ہے۔ اور شہر کے گرد فصیل ہے۔ محمود غزنوی نے حضرو کے میدان میں ہندوستان کے راجاؤں کو بہت بڑی شکست دی تھی۔ حضرو شہر کی کل چھ دروازے تھے، جو سر شام ہی بند کر دیے جاتے تھے اور صبح سویرے کھول دیے جاتے تھے اور ان میں سے سب سے مشہور کشمیری دروازہ ہے"۔ (1)

حضرو شہر 2008 سے قبل ڈسٹرکٹ اٹک کا حصہ شمار ہوتا تھا۔ 2008 میں حضرو شہر کو باضابطہ طور پر تحصیل کا درجہ دے دیا گیا۔ حضرو شہر کی تجارتی اہمیت کے ساتھ ساتھ تعلیمی اہمیت بھی ہے۔ حضرو شہر میں میں 2 ڈگری کالج 5 ہائی سکول اور نجی تعلیمی ادارے بے شمار ہیں جن کے ساتھ حضرو (چھچھ) کی تعلیمی وابستگی ہے۔ حضرو کا پُرانا نام چھچھ ہے اس لیے یہاں کے ہر عام و خاص کی زبان پر چھچھ ہی ہے اور یہاں کے لوگ اپنا تعارف بھی چھاچھی ہونے کی حیثیت سے کرواتے ہیں نہ کہ حضروی یہی وجہ ہے کہ اس مقالے میں زیادہ بحث چھچھ پر کی گئی ہے۔

وادی چھچھ کی وجہ تسمیہ

وادی چھچھ شروع شروع میں ایک بہت بڑی جھیل تھی، جونہی جھیل کا پانی اتر تا گیا، دلدلی زمین نظر آگئی۔ سکندر اعظم یونانی جب 326 ق م میں ہندوستان پر حملہ کرنے کے لیے یہاں سے گزرے تو انہوں نے اس دلدلی زمین (MARSHY LAND) کو چچ کہا۔ موجودہ زمانے میں یونانی زبان میں دلدلی زمین کو لمنی (LIMNE) کہا جاتا ہے۔ کچھ مورخین اسے ہنڈ کے برھمن راجا اور بعض اسے راجہ داہر کے باپ را جاچچ سے منسوب کرتے ہیں جو سندھ کا راجا تھا۔ بعض روایات کے مطابق چھچھ کا لفظ شش، شاس، چاچ، چھگ، چھب یا چھاپ کی مبدل صورت ہے۔ چھچھ کی ظاہری صورت چھاج سے مشابہہ ہے، اس لیے اسے چھاج، چھچ کہا جاتا تھا جو رفتہ رفتہ چھچھ بن گیا۔ (2)

ڈسٹرکٹ گزیٹیئر (3) راولپنڈی میں ایک انگریز افسر کرنل کریکرافٹ نے اس کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے وہ د

لچسپ بھی ہے اور معتبر بھی وہ لکھتے ہیں کہ چھچھ کا لفظ اصل میں پشتو زبان کا لفظ چھج ہے، چھج پشتو زبان میں ہاتھ سے بنی ہوئی ایک ایسی چیز کو کہتے ہیں جس سے اناج صاف کیا جاتا ہے اور اس کے تین کنارے محفوظ اور ایک ڈھلان کی شکل کا ہوتا ہے ہو بہو یہ شکل علاقہ چھچھ کی بھی ہے یہی لفظ بعد میں چھچھ بنا۔[4] جبکہ موجودہ پشتو زبان میں ایسی زمین کے لیے جبہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ سید عبدالقدوس ہاشمی کے بیان کے مطابق لفظ چھچھ قدیم زمانے سے گجراتی اور سندھی زبان میں مستعمل ہے۔اس کے معنی ہیں ابھری ہوئی یا او تھلی زمین جو ریتلی یا صحرائی زمین ہوتی ہے۔ مجازاً کم گہرے دریا کو بھی چھچھ کہا جاتا ہے۔ ہندوستان کے صوبہ گجرات اور سندھ کے درمیان اس طرح کا ایک علاقہ چھچھ کہلاتا ہے۔ جہاں تین چار چھوٹے چھوٹے مواضعات ہیں۔ ضلع ٹھٹھہ میں ایک علاقہ چھچھ جہان خان کہلاتا ہے۔ جبکہ ضلع دادو میں منچھر جھیل بھی موجود ہے۔ ضلع راولپنڈی کے تھانہ چونترہ کے علاقہ میں ایک گاؤں چھچھ جہان کے نام سے مشہور ہے۔[5]

حضرو کی میونسپل کمیٹی کے کاغذات میں یہ بھی تحریر ہے کہ چھچھ کے معنی سنسکرت میں جھیل یا تالاب کے ہیں، چونکہ یہ علاقہ دریائے سندھ کے نشیب میں واقع ہے، اس لیے دریا کی طغیانی سے پانی آکر جھیل یا تالاب میں تبدیل ہو جاتا ہے، اس وجہ سے اس خطے کو چھچھ کہتے ہیں۔ بعض کا خیال ہے کہ چھچھ کا لفظ چھاچھ کا مخفف ہے۔ ابتدائی ایام میں گنگر پہاڑ کے ساتھ ساتھ آکر جو قوم آباد ہوئی ان کی گائے اور بھینسوں کی کثرت سے چھاچھ ہوتی تھی یہ لفظ چھاچھ سے چھچھ میں تبدیل ہو گیا۔[6]

اٹک گزٹیئر ۱۹۰۷ء میں تحریر ہے کہ چھچھ کا لفظ چھب سے ہے جس کے معنی دلدلی زمین کے ہیں۔[7] مشہور دکنی مؤرخ مولوی محمد حسین اغلب نے اپنی تاریخ نیرنگ افغاناں میں صفحہ سترہ پر چھچھ کا نام علاقہ چھچھا تحریر فرمایا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ چھچھ، چھب، چچ، چھچ، چاچ، چھاج، چھاچھ، چھچھا، یہ الفاظ تمام کے تمام سنسکرت کے علاوہ موجودہ ہندی اور اُردو کی لغت میں بھی ملتے ہیں۔سب سے پہلے چھچھ کے متعلق دیکھنا چاہیے کہ اس کے کیا معنی ہوتے ہیں کیا یہ چھچھ کی وجہ تسمیہ کے لیے موزوں ہے؟ سنسکرت اور ہندی کے مشہور عالم اور شاعر بھگت کبیر داس جی نے نبی کریم ﷺ کی مدح میں ایک شعر کہا ہے جس میں چھچھ کا لفظ نگاہ کے معنی میں استعمال کیا ہے۔ واقعہ معراج کے متعلق ان کا شعر ہے۔

نب کا در کھلا نہیں نبی گئے اوہ پار
جیسے چھچھ چھچھ ماں نکل جات اوہ پار

ترجمہ: معراج کی رات آسمانوں کے دروازے بھی نہیں کھلے مگر نبی کریم ﷺ آسمانوں سے اس طرح گزر گئے جیسے نگاہ شیشہ کے پار ہو جاتی ہے۔

ہندی میں چھچھ بمعنی نگاہ اور اسی طرح باقی الفاظ بھی ہندی میں ان معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ چھچ یا چھاج بھی ہندی لفظ ہے یہ پشتو میں منتقل کیا گیا چھاچھ ہندی میں لسی کے معنوں میں مستعمل ہے۔ چھب ہندی میں وجاہت، تزئین اور شان و ناز کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ چھچھا بمعنی پرندوں کی آواز ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ چھب یونانی لفظ نہیں ہے بلکہ سنسکرت یا ہندی لفظ ہے جو عام طور پر اردو لغت میں ملتا ہے۔ کسی لغت نے چھب یا چھچ کو اُردو میں یونانی یا پشتو لفظ استعمال نہیں کیا۔ چھچھ ایک بہت قدیم لفظ ہے جو پاکستان و ہند کی قدیم زبانوں میں مسلمان دور سے کچھ عرصہ پیشتر استعمال ہوتا چلا آرہا ہے۔(8)

فارسی لغت میں شاش اور چاچ توران کے مشہور شہر تاشقند کا پرانا نام ہے۔ بعض کے نزدیک کاشغر کا پرانا نام چاچ ہے۔ ازبکستان کے تاجک قبیلہ کی ایک شاخ کا نام بھی چچ تھا، یہ عین ممکن ہے کہ چاق شہر یا تاجک قبیلہ کی چاق شاخ سے کچھ لوگ شروع شروع میں یہاں آکر آباد ہو گئے ہوں۔ جس کی بناء پر اس وادی کا نام چاچ یا چھچھ مشہور ہو گیا ہو۔ ترکی زبان میں غلہ کے صاف شدہ ڈھیر کو بھی چاچ کہا جاتا ہے جو کھلیان میں پڑا ہوتا ہے۔ آرائیں اور گوجر قبیلہ کی ایک شاخ بھی چچی یا چاچڑ کہلاتی ہے۔ سندھ میں ایک تحصیل کا نام چھا چھرہ ہے۔ سندھ کی سب سے قدیم اسلامی تاریخ کا نام چچ نامہ ہے۔ اسے فتح نامہ سندھ(9) بھی کہا جاتا ہے۔ ماہرین آثار قدیمہ کے نزدیک صدیوں پہلے اس وادی کا نام چھکشا یا شکشا CHHUKSH تھا۔ جو حکومت ٹیکسلا کا ایک صوبہ تھا جبکہ ٹیکسلا کا مشرقی صوبہ چھاھارا/CHHAHARA تھا۔ اور ہزارہ اس زمانے میں اراشا کہلاتا تھا۔(10)

مولانا غلام رسول مہر جنہوں نے سید احمد شہید کے سلسلے میں چھچھ اور ہزارہ کا چپہ چپہ دیکھا۔ انہوں نے چھچھ کو ترکی لفظ کہا ہے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے بھی چھچھ کو ترکی لفظ قرار دیا ہے مؤرخین کی آراء کے علاوہ مقامی روایات اس طرح ہیں کہ چھچھ ترکی لفظ چچ سے ہے جس کے معنی پشتو میں "اچ خوڑ" اور مقامی زبان میں "چھڑ" کے ہیں۔ یعنی دریا کا وہ حصہ جو سیلابی موسم میں نالوں کی شکل اختیار کر جاتا ہے اور بعد میں ریت اور پتھر چھوڑ جاتا ہے۔ اسی طرح "اچ خوڑ" دریا کے ساتھ ملحقہ نالہ کو بھی کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ تشریح پرانے بزرگوں نے اس طرح فرمائی ہے کہ کشان خاندان سے پہلے کامرہ کی پہاڑیوں سے لے کر تحصیل صوابی کے موضع جلسی تک ایک بڑی جھیل تھی اور دریائے سندھ بھی آکر اس میں گرتا تھا۔ اس جھیل میں جا بجا ٹیلے تھے جن پر کچھ آبادیاں جھونپڑیوں کی طرز کی تھیں۔ ان جھونپڑیوں میں مچھیرے اور لٹیرے رہتے تھے۔ اسی وجہ سے اسے سندھ ساگر کہا جاتا ہے۔ قدرتی عمل سے دریائے سندھ نے رخ تبدیل کیا تو یہ زرخیز خطہ وجود میں آگیا اور ایک مشہور ضرب المثل بن گئی" سمجھ بنا سمندر کی۔ جو بیجے سو ہوت "جب پانی خشک ہو گیا اور پتھر ہی پتھر رہ گئے تو جو تاتاری قوم یہاں آباد تھی، وہ اپنی زبان میں چچ یا چاچ کہنے لگی، جو بگڑتے بگڑتے چھچھ ہو گیا۔(11)

ملاں منصور، حاجی شاہ، کامرہ، ہٹیاں، لارنس پور اور غور غشتی کے قرب وجوار میں پرانے ٹیلوں کی کثرت سے موجودگی سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ شروع میں قدیم آبادیاں ان ٹیلوں پر واقع تھیں۔ ایک دور ایسا گزرا جب کشمیر، ٹیکسلا، ہزارہ اور وادی چھچھ ایک حکمران کے ماتحت تھے۔ قاضی عبد العلیم اثر افغانی کے بیان کے مطابق خروشطی زبان میں لفظ پچ سس، شش ہے۔ شش کے لغوی معنی آئینہ ہے۔ دونوں الفاظ اب بھی پشتو میں مستعمل ہیں جس طرح وادی پوٹھوہار کا اصل نام بوتو ہے۔ اسی طرح چھچھ کا صحیح نام پچ ہے۔ بوتو اور پچ دو قومیں 900 ق م میں اس سرزمین پر پہنچی جو دریائے سندھ اور جہلم کے درمیان واقع تھیں۔

مشہور سیاح بیرن ہیوگل اپنی کتاب "سیاحت نامہ کشمیر و پنجاب"[12] میں وادی چھچھ کو شش کا میدان (PLAIN OF SHUSH) لکھا ہے۔

بلوچستان گزیٹیئر کے مطابق کھیتران قبیلہ کی بڑی شاخ دھارا کی ذیلی شاخ پچ اور حسنی کہلاتی ہیں۔ پچ کسی زمانے میں طاقتور قبیلہ تھا۔ چاچا بھی کھیتران قبیلے کا ایک حصہ تھا۔[13]

چھچھ کی تاریخی حیثیت

مولانا غلام رسول مہر (م ۱۳۹۱ھ / ۱۹۷۱ء) لکھتے ہیں کہ ضلع کیمبل پور (اٹک) میں حضرو، حسن ابدال اور اٹک خورد یہ تین قصبات خاص تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔ حضرو ان تینوں میں مشہور اور تاریخی اعتبار سے قدیم ہے۔ اس کا نواحی علاقہ سکندر اعظم (۳۲۳-۳۵۶ ق م) کی گزر گاہ رہا۔ حضرو، لارنسپور اور ہٹیاں کا تاریخی میدان تاریخ میں وے ہند کے نام سے مشہور ہے۔ سلطان محمود غزنوی (م ۱۰۳۰ / ۵۴۲۱ء) کا پانچواں اور فیصلہ کن معرکہ اس مقام پر ہوا۔ سید احمد بریلوی شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کے سکھوں سے معرکے بھی اسی جگہ ہوئے۔ حضرو درانیوں کی وجہ سے سکھوں کے عہد میں بھی سید احمد شہید کے رفقاء میں سے زخمی و مجروح غازیوں کی پناہ گاہ رہی۔ مولانا ظفر علی خان مرحوم کو اپنی معرکۃ الآراء تقریر کی وجہ سے پانچ سال کے لیے اسی جگہ پابند سلاسل کیا گیا۔ مولانا ظفر علی خان صاحب کو حضرو سے جو عشق تھا اس کا اظہار انہوں نے کئی بار ان الفاظ میں کیا کہ

> "علاقہ چھچھ خصوصاً حضرو سادہ و غیور مسلمانوں کا وہ خطہ زمین ہے جہاں سے قرون اولی کی بو آتی ہے (14)

حضرو کے بانی محمود غزنوی کی فوج کے ایک مرد مجاہد امیر خان تھے جو پٹھانوں کی درانی قوم کی شاخ علی زئی سے تعلق رکھتے تھے۔ اس مرد مومن کی اولاد میں سے عزت خان چھاچھی کا شمار امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے خاص عقیدت مندوں میں ہوتا تھا اور باغی تصور کئے جاتے تھے۔ اس کے باوجود نور الدین جہانگیر مغل

بادشاہ کا فقرہ تزک جہانگیری میں موجود ہے۔"عزت خان چھاچھی بمعہ قلعہ داراٹک کے میرے دربار میں حاضر ہوا اور میں نے خاص خاص نوازش کے ساتھ اس کو رخصت کیا۔ یہی خاندان محی الدین محمد اورنگزیب عالمگیر کا معاون ومددگار رہا"۔(15)

علاقہ چھچھ پہلے دو حصوں میں تقسیم تھا چھچھ متنی اور چھچھ سرکانی

چھچھ متنی

وادی چھچھ کا جو علاقہ حضرو شہر سے مغرب کی طرف ہے اسے چھ متنی کہا جاتا تھا۔ سکھوں کے دور میں اسے علاقہ حویلی بھی کہا جاتا تھا۔ خلاصۃ الانساب مصنفہ نواب حافظ رحمت خان صاحب کے بیان کے مطابق (16)متنی قوم کے لوگ قوم متی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور لودھی یا سروانی کی اولاد میں یاد کئے جاتے ہیں۔ جبکہ بعض محققین کی تحقیق کے مطابق بی بی متو کی اولاد متوزئی کہلاتی ہے جبکہ قبیلہ مومند غوریاخیل کی شاخ متی زئی یا"متنی" کہلاتی ہے۔ علاقہ چھچھ متنی کی وجہ تسمیہ قبیلہ مومند کی شاخ متنی کی وجہ سے ہی چھچھ متنی ہو سکتی ہے جن کے متعدد مواضعات غربی چھچھ میں موجود ہیں۔ جن میں خورہ خیل (خیر وخیل) گڑھی متنی، حیدرہ، ملاح، شادی خان، ویسہ، کامل پور موسی، حمید وغیرہ شامل ہیں۔ ہندوستان کے پہلے مسلمان حکمران قطب الدین ایبک کا ایک افغان وزیر ملک متنی تھا۔ جسے "خان عالم" کا خطاب دیا گیا تھا۔ متنی نام کا ایک بڑا قصبہ پشاور سے چند کلومیٹر کے فاصلہ پر کوہاٹ روڈ پر واقع ہے۔ یہاں کے باشندے بھی قبیلہ مومند کی شاخ متنی سے تعلق رکھتے ہیں۔ صوبہ سرحد اور افغانستان میں متنی قبیلہ سے تعلق رکھنے والے افراد کی بڑی تعداد موجود ہے۔ مشہور مؤرخ سٹورٹ پگٹ نے اپنی کتاب ہندوستان قدیم میں ایک انڈویورپین قبیلہ کا ذکر کیا ہے۔ جو شام کے علاقہ میں سولہویں صدی قبل مسیح میں MITANI کے نام سے حکمران تھا۔ المتون نامی ایک قصبہ اور وادی بھی وہاں موجود تھی۔ موجودہ دور میں افغانستان کے صوبہ لوگر میں متنی قبیلہ سے تعلق رکھنے والوں کی تعداد زیادہ بتائی جاتی ہے۔(17)

چھچھ سرکانی

وادی چھچھ کے مشرقی حصہ کو چھچھ سرکانی کہا جاتا تھا۔"حیات افغانی کے مؤلف محمد حیات خان کھٹڑ کے بیان کے مطابق چھچھ کے 18 مواضعات میں سرکانی قبیلہ کے لوگ رہتے تھے۔ جو ان کے بقول افغانوں کی علیزئی شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جو ترین قبیلہ کی ایک شاخ ہے۔ انہوں نے افغانستان کے صوبہ کنہار کی سرکانی چھاؤنی اور صوبہ سرحد کی باجوڑ ایجنسی میں رہائش پذیر باشندوں کو بھی سرکانی علیزئی تصور کیا ہے۔ حالانکہ سکندر خان کی حالیہ تحقیق کے مطابق درج بالا سرکانیوں کا تعلق مومند قبیلہ سے ہے۔ اس لحاظ سے یہ تصور کیا جاتا ہے کہ وادی چھچھ کے سرکانی بھی عین ممکن ہے مومند قبیلہ سے تعلق رکھتے ہوں کیونکہ جو شاخیں سرکانی علیزئی کی بیان کی جاتی ہیں وہی شاخیں خلیل مومند قبائل کی بھی ہیں۔ مثلاً عمرزئی، بروزئی، موسی زئی، ترک زئی اور علی زئی وغیرہ جبکہ سرکانی علیزئی کی چھ شاخوں کے نام یہ ہیں۔ 1۔ عمرزئی

،2۔ موسی زئی ،3۔ ابراہیم زئی ،4۔ خان خیل ،5۔ اکاخیل ،6 ۔ سید خیل۔ پہلے وقتوں میں چونکہ قبیلے کی نقل وحرکت یا ہجرت اکٹھی ہوا کرتی تھی۔ لہذا تحقیق کے مطابق قبیلہ مومند کی دونوں شاخیں یعنی متی اور سرکانی کی وادی چھچھ میں آمد بیک وقت ہوئی ہوگی۔ اس طرح متی غربی چھچھ میں آباد ہو گئے اور سرکانی قبیلہ کے لوگ شرقی چھچھ میں آباد ہو گئے۔ اس کے بعد دیگر قبائل وقتاً فوقتاً آباد ہوتے گئے۔[18]

وادی چھچھ کا محل وقوع

حضرو (چھچھ) پنجاب کے شمال اور آخری ضلع اٹک میں واقع ہے۔ یہ وادی دریائے سندھ جسے اباسین اور دریائے اٹک بھی کہا جاتا ہے کے ساتھ تاریخی اہمیت کی یہ خوبصورت وادی صوبہ خیبر پختونخواہ کے ساتھ ساتھ شرقاً غرباً تقریباً19 میل لمبی اور شمالاً جنوباً8 میل چوڑی ہے۔ تاریخی قلعہ اٹک اس خطہ کے مغرب میں واقع ہے۔ وادی کے مشرق میں کوہِ گنگر واقع ہے۔ اللہ بخش یوسفی نے بھی ان پہاڑوں کے لیے لفظ گنگر[19] استعمال کیا ہے جس کے ساتھ مشہور تربیلا ڈیم کا بند تعمیر کیا گیا ہے۔ وادی کے جنوب مغرب میں اٹک کی پہاڑیاں ہیں جبکہ جنوب میں کامرہ کی پہاڑی اور ہوائی جہازوں کا کارخانہ کامرہ ایروناٹیکل کمپلیکس بنایا گیا ہے۔ جنوب مشرق میں لارنس پور مل (گرم کپڑے کا مشہور کارخانہ) تھا جو اب بند ہو چکا ہے اور دریائے ہروکا پل ہے۔ جس کے قرب وجوار میں مزید عمارات تعمیر ہو رہی ہیں۔ ان میں ہوٹل، پیٹرول پمپ اور گیس سٹیشن وغیرہ شامل ہیں۔ وادی کے شمال میں مشہور تاریخی قصبہ ہنڈ اور قدیم لاہور واقع ہیں۔ جو اس وقت صوبہ خیبر پختونخواہ کے ضلع صوابی میں شامل ہیں۔ شاہراہ پاکستان (شاہراہ شیر شاہ سوری) اور غازی بروتھا نہر وادی کے جنوبی حصہ کو کاٹتی ہوئی گزرتی ہے۔ چوراسی دیہات پر مشتمل اس علاقے کا مرکزی قصبہ حضرو ہے۔ خواجہ محمد خان اسد کے بہ قول چھچھ کا پُرانا نام چھچھ چوراسی ہے۔ کیوں کہ انگریزوں کی آمد سے پہلے اس کے چوراسی دیہات تھے نیز پرانے وقتوں میں ضلع ہزارہ کے ساتھ ملے ہونے کے سبب اسے چھچھ ہزارہ بھی کہا جاتا تھا[20]۔

یہاں کی زمین ہر قسم کے فصلوں اور درختوں کے لیے موزوں ہے۔ جن میں گندم مکئی، چنا، جو، مونگ پھلی ، آلو، گنا، تمباکو، سرسوں وغیرہ شامل ہیں۔ پھلوں میں انگور، ناشپاتی، مالٹا سنگترہ، لیموں، امرود، آلو بخارا اور خوبانی، شامل ہیں۔ یہاں کی سبزیاں، اٹک، راولپنڈی، اسلام آباد، لاہور، کراچی تک فروخت کے لیے بھیجی جاتی ہیں۔ ان میں شلجم ، مولی، گاجر، کدو، توری، بھنڈی، پالک میتھی، گوبھی لہسن، پیاز، آلو، مٹر، ٹماٹر وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں کے خربوزے اور تربوزے شیرینی اور خوبصورتی میں مشہور ہیں۔ اٹک گزیٹیئر کے مطابق حضرو کا دیسی تمباکو اور نسوار ہندوستان اور کشمیر کے دور دراز علاقوں کو بھیجا جاتا تھا[21]۔

منشی امین چند ڈیڑھ سو سال پہلے اپنے سفر نامے میں اس خطے کی زرخیزی کا ذکر ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ

" علاقہ چھچھ ایک ہموار میدان ہے۔ پیداواری میں بڑا کامل اور زمین وہاں کی اکثر چاہی ہے بلکہ تمام ضلع (اُس وقت یہ علاقہ راولپنڈی کے ضلع میں شامل تھا) میں اس علاقے کے برابر دوسرا کوئی علاقہ اچھا نہیں ہے۔ باقی تمام ضلع میں یا تو پہاڑ ہیں یا نشیب و فراز ہے"۔ (22)

کھیتوں کی آب پاشی کے لیے وادی میں لاتعداد رہٹ (کنویں) موجود ہیں۔ جن پر موجودہ دور میں حسب توفیق بعض جگہوں میں بجلی یا ڈیزل کی موٹریں لگائی گئی ہیں۔ صرف شرقی چھچھ میں دو گاؤں ایسے ہیں جن کی کچھ اراضی کو قبلہ بانڈی ڈیم کی ایک چھوٹی سی نہر سیراب کرتی ہے۔ بیل کی جگہ اب ٹریکٹر نے لے لی ہے۔ غازی بروتھا کی نہر کی وجہ سے دریائے سندھ کا پانی نہایت ہی کم ہو گیا ہے۔ نیز دریائے سندھ پر موٹروے پل کے بن جانے سے آمد و رفت بڑھ گئی ہے۔ جس کی وجہ سے ماحولیات پر گہرا اثر پڑا ہے۔

وادی چھچھ کے باشندوں کی طبیعت شروع سے ہی مہم جو رہی ہے۔ چاہے وہ کسی بادشاہ کے لشکر میں شمولیت کی شکل میں ہو یا تجارت کی شکل میں، تبلیغ دین کی صورت میں ہو، یا پھر ملازمت کے سلسلہ میں الغرض یہ ہر دور میں سرگرم رہتے آئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ دور میں وادی چھچھ کے باسی پاکستان کے دیگر علاقوں کے رہنے والوں کی نسبت زیادہ تعداد میں انگلستان، امریکہ، کینیڈا، جرمنی، ہالینڈ، آئرلینڈ، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، قطر، کویت، عمان، ایران، عراق، لیبیا، ہانگ کانگ، ملائشیا، سنگاپور، تھائی لینڈ، ویت نام، جاپان، آسٹریلیا اور بھارت میں آباد ہیں اور وطن عزیز کے لیے لاکھوں ڈالر کا زرمبادلہ کما رہے ہیں۔ اندرون ملک بھی چھچھ کے باشندے ملازمت یا کاروبار کے سلسلہ مختلف چھوٹے بڑے شہروں میں مقیم ہیں۔ راولپنڈی شہر کا ایک محلہ چھاچھیوں کے نام سے منسوب ہے۔ اور اسی طرح ملک کے مختلف شہروں میں چھاچھی ہوٹل اور چھاچھی پلازے کے نام سے مشہور جگہیں اس علاقے کی روایت کی زندہ مثال ہیں۔

اباسین یعنی دریاؤں کا باپ (INDUS)

دریائے سندھ دنیا کے چند مشہور دریاؤں میں سے ایک ہے۔ دریائے سندھ "کو شیر دریا" بھی کہتے ہیں۔ دریائے سندھ جسے پشتو زبان میں "اباسین" یعنی دریاؤں کا باپ کہا جاتا ہے۔ دریائے سندھ کا منبع سطح سمندر سے تقریبا سترہ ہزار فٹ کی بلندی پر ملک تبت کے کیلاش کے پہاڑوں میں واقع ہے۔ وہاں سے یہ کشمیر پنجاب اور صوبہ سرحد کے علاقوں سے بہتا ہوا مٹھن کوٹ کے قریب پنجاب کے پانچ دریاؤں کے ساتھ مل جاتا ہے جسے پنجند کہا جاتا ہے۔ جہاں سے پوری رفتار سے چلتا ہوا کراچی کے قریب، بحیرہ عرب میں جا گرتا ہے۔ وادی چھچھ میں دریائے سندھ بعض مقامات پر جزیرے (ٹاپو) بناتا ہوا ایک میل کی چوڑائی اختیار کر لیتا ہے۔

اٹک کے گزیٹیئر میں لکھا ہے کہ "ضلع کے اندر دریائے سندھ کے دو نام ہیں۔ جب ہزارہ سے اٹک کی حدود میں

داخل ہوتا ہے تو یہ دریائے اٹک کہلاتا ہے۔ اور جب دریائے کابل اس میں اٹک پل کے مقام پر ملتا ہے تو اس کے بعد دریائے سندھ کہلاتا ہے۔[23]

سید نصرت بخاری کی حال ہی میں شائع ہونے والی کتاب "ضلع اٹک تذکرہ و تاریخ" میں دریائے سندھ کے حوالے سے لکھا گیا ہے کہ اسے اس کے نیلگوں پانی کی مناسبت سے نیلاب کا نام بھی دیا گیا تھا۔ باغ نیلاب کا قصبہ آج بھی اٹک بسال روڈ پر دریائے سندھ کے کنارے پر واقع ہے۔ دراصل یہی وہ قصبہ ہے جہاں سے قدیم حملہ آور اس دریا کو پار کر کے ہندوستان میں داخل ہوتے رہے ہیں۔ دریائے سندھ قلعہ اٹک کے قرب میں دریائے کابل سے بغل گیر ہو کر اٹک پل کے نیچے سے گزر کر نیلاب کے مقام پر پھر کچھ پھیل جاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی چوڑائی ایک مقام پر تقریباً ساٹھ فٹ رہ جاتی ہے۔ اس مقام کو گھوڑا ترپ "کہا جاتا ہے۔

تاریخ فرشتہ کے مصنف محمد قاسم فرشتہ بھی اسے نیلاب ہی لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق اسے پار کرنا منع ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نیلاب کو پار کرنے پر اس لیے پابندی تھی کہ اٹک کے مغرب میں مسلمان آباد تھے جن کو وہ ملیچھ سمجھتے تھے اور اگر کوئی ہندو دریا پار کر لیتا تو واپسی پر اسے پھر نئے سرے سے ہندو بنایا جاتا تھا۔[24]

دریائے سندھ نہ صرف ایک دریا ہے بلکہ یہ دنیا کی ایک عظیم تہذیب، ایک عظیم ملک بلکہ پورے برصغیر پاک وہند کا نام ہے۔ ہر دو ممالک میں چھوٹے بڑے دریاؤں کی کمی نہیں لیکن جو اہمیت اور تقدس دریائے سندھ کو حاصل ہے وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی، جس طرح دریائے نیل کی مصری تہذیب، فرات کی سمیری تہذیب آشکارا ہوئیں اسی طرح دریائے سندھ بھی اپنے ہم عصروں سے کسی بھی صورت میں پیچھے نہیں۔ البتہ وادی سندھ کی تہذیب ان سے دو قدم آگے ہی ہے جو تیزی دریائے سندھ اپنے اندر رکھتا ہے نہ گنگا میں ہے اور نہ ہی دجلہ، فرات اور دریائے نیل میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اباسین یعنی دریاؤں کے باپ کا اعزاز حاصل کیا ہے۔ دریا سندھ مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے۔ وادی چھچھ اور پختونخواہ میں اباسین کے علاوہ اسے نیلاب بھی کہا جاتا ہے۔ صوبہ سندھ میں اسے مہران کہا جاتا ہے۔ یونانیوں نے اسے سندوس کا نام دیا ہے۔ جو بعد میں انگریزی زبان میں انڈس بن گیا۔ آریاؤں نے اسے تند و تیز موجوں کی وجہ سے سندھو کا نام دیا جو سرکش گھوڑے کو کہا جاتا ہے۔[25]

بعض حضرات کہتے ہیں کہ دریا کا نام سندھو تھا جسے ایرانیوں نے حسب عادت ھندو بنا دیا۔ یونانی زبان میں انڈس اور انگریزی زبان میں انڈیا اس پورے ملک کے لیے پکارا جانے لگا۔ مغل حکمران اکبر کے دور میں اسے سندھ ساگر کہا گیا۔ آبپاشی اور بجلی کی خاطر دریائے سندھ پر متعدد بند باندھے گئے ہیں جو تربیلا ڈیم، تونسہ بیراج، گڈو بیراج، جناح بیراج، سکھر بیراج اور غلام محمد بیراج کے نام سے مشہور ہیں۔ اسی طرح 2010ء میں حکومت نے بھاشا ڈیم کی تعمیر کا کام شروع کیا ہے

جو شمالی علاقوں یعنی گلگت میں تعمیر کیا جائے گا جبکہ کالاباغ ڈیم خیبر پختون خواہ اور صوبہ سندھ کی مخالفت کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے۔ پاکستان میں دریائے سندھ کی کل لمبائی اندازاً اٹھارہ صد میل ہے جبکہ اٹک قلعہ سے کراچی تک لمبائی چودہ صد میل ہے۔ دریائے سندھ کے معاون دریاؤں کی تعداد چالیس بن جاتی ہے۔[26]

غازی بروتھا نہر

غازی بروتھا نہر دریائے سندھ پر بنایا گیا ایک پن بجلی کا منصوبہ ہے۔ اگست 2003 میں بجلی کی پیداوار کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ غازی بروتھا سکیم کے تحت غازی کے مقام سے نہر نکلوا کر بروتھا کے مقام پر دوبارہ دریائے سندھ میں ڈال دی گئی ہے۔ اس کی لمبائی 52 کلو میٹر ہے اس منصوبے کو یہ بھی اعزاز حاصل ہے کہ یہ دنیا کی سب سے بڑی پختہ نہر ہے۔ پاور ہاؤس میں پانچ پیداواری یونٹ نصب ہیں جن میں سے ہر ایک کی پیداواری صلاحیت 290 میگاواٹ ہے۔[27]

وادی چھچھ کی قدیم جھیلیں

پہلے وقتوں میں لوگ مال مویشی کثرت سے پالتے تھے۔ لہذا پانی کی ضروریات پوری کرنے کے لیے ہر چھوٹے بڑے گاؤں میں دو تین جھیلیں ضرور ہوا کرتی تھیں۔ مقامی زبان میں ایسی جھیلوں یا جوہڑوں کو ڈھن کہا جاتا تھا چونکہ اس دور میں اکثر مکانات کچی اینٹوں سے بنائے جاتے تھے لہذا ان کی لپائی کے لیے بھی مٹی یا گارے کی ضرورت پڑتی تھی جو ان جھیلوں سے آسانی سے دستیاب ہو جاتی تھی۔[28]

اللہ بخش یوسفی کے بقول" تربیلہ کے علاقے اور دریائے سندھ کی دوسری طرف چھچھ کے علاقہ پر غور کیا جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اس جگہ کوئی وسیع جھیل تھی جو خدا جانے کن ایام میں خشک ہو کر ایسی خشکی کا باعث بنی جس پر بعد میں آبادیاں نظر آنے لگیں"[29]

ترقی کے ساتھ ساتھ جب ان جھیلوں کی ضرورت نہ رہی لوگوں نے حسب ضرورت ان کو بھروا کر ان پر مکانات تعمیر کروا لیے اور ان کا نام و نشان جاتا رہا۔

وادی چھچھ کی آبادی

1981ء کی مردم شماری کے مطابق اٹک کی کل آبادی 8,80,497 لوگوں پر مشتمل تھی۔ ضلع کے دیگر علاقوں کی نسبت وادی چھچھ زیادہ گنجان آباد ہے، اس پورے ضلع کی آبادی میں دیہی آبادی کا تناسب 85.50 فیصد ہے۔ جس میں وادی چھچھ کی آبادی اندازاً ساڑھے تین لاکھ نفوس پر مشتمل ہے۔ اور 2017 کی مردم شماری کے مطابق چھچھ کی آبادی تقریباً 4 لاکھ سے زیادہ ہے۔ جو مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں اعوان، پٹھان (افغان) کھٹڑ، شیخ، ارائیں، گجر، کشمیری، پراچہ اور سادات مشہور ہیں، ان کے علاوہ پیشہ ور لوگ بھی ہیں جن میں بعض تو اپنے قبیلہ کے نام سے نابلد

ہیں جبکہ بعض اپنے نام کے ساتھ کوئی نہ کوئی قبیلہ لکھتے ہیں۔

قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ(30)

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو نر اور مادہ سے پیدا کیا ہے اور اس کی ذاتیں اور قومیں بنائی ہیں تا کہ ان کی آپس میں پہچان ہو۔ عزت کا فیصلہ تقوی کی بنیاد پر ہے۔

کسی قوم یا قبیلے سے تعلق ظاہر کرنے کا مقصد یہ نہیں ہونا چاہئے کہ وہ قبیلہ یا شخص اس تعلق کی بناء پر دیگر قبائل یا اشخاص سے کسی بھی صورت میں بہتر ہے بلکہ جیسا کہ قرآن کریم کے ارشاد سے ظاہر ہے کہ اس سے صرف اس کا تعارف مقصود ہوتا ہے۔ تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں ان میں سے بہتر صرف وہی شخص ہے جس کے اعمال اچھے ہوں چاہے وہ کسی بھی قوم اور پیشہ سے تعلق رکھتا ہو۔ نیک عمل کے بارے میں اتنی بھی سخت تاکید آئی ہے کہ حضور سرور ﷺ نے اپنی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کو فرمایا کہ

ويا فاطمة بنت محمد سليني ما شئت من مالي، لا اغني عنك من الله شيئا(31)

"فاطمہ! بیٹی تو چاہے میرا مال مانگ لے لیکن اللہ کے سامنے تیرے کچھ کام نہیں آؤں گا"

وادی چھچھ کا رقبہ

وادی چھچھ کا کل رقبہ 197000 ایکڑ ہے جبکہ قابل کاشت رقبہ اندازا 163000 ایکڑ ہے۔ حضرو اس کا مرکزی قصبہ ہے۔ جسے 2008 میں تحصیل ہیڈ کوارٹر بنایا گیا ہے۔

آب وہوا

صوبہ پنجاب کے دوسرے علاقوں کی نسبت اس وادی کی آب وہوا اتنی شدید نہیں، پانی کی وافر مقدار درختوں اور سبزہ کی کثرت کی وجہ سے گرمی نسبتاً کم رہتی ہے۔ گرمیوں میں اوسط درجہ حرارت 30۔°41 درجے سنٹی گریڈ جبکہ سردیوں میں 2 تا 10 درجے سنٹی گریڈ رہتا ہے۔

حضرو (چھچھ) کا تعلیمی نظام

حضرو (چھچھ) علمی دنیا میں بخارا اور سمرقند کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس کی شہرت کی بنیادی وجہ یہاں کی علمی فضا کا وجود ہے۔ حضرو (چھچھ) کا موجودہ تعلیمی نظام مندرجہ ذیل ہے۔

گورنمنٹ کالج	:	2
گورنمنٹ ہائر سیکنڈری سکول	:	3
پرائیویٹ کالج	:	10
گورنمنٹ ہائی سکول	:	53
گورنمنٹ ایلیمنٹری سکول	:	40
گورنمنٹ پرائمری سکول	:	70
پرائیویٹ سکول	:	230

یہ ریکارڈ ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفس اٹک سے حاصل کر کے درج کیا گیا ہے۔[32]

وادی چھچھ کے آثار قدیمہ

صدیوں کی توڑ پھوڑ اور موسمی حالات کی وجہ سے آثار قدیمہ کا وجود تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ البتہ بعض جگہوں سے کھدائی کے دوران پرانے زمانے کے مٹی کے برتن، سکے، بت اور کتبے وقتاً فوقتاً دریافت ہوتے رہتے ہیں۔ جن سے اس علاقے کی تہذیب اور قدامت کا اندازہ ہوتا رہتا ہے، چند سال پہلے گڑھی متنی کے ایک کھیت میں سے پرانے زمانے کا ایک کتبہ ملا جو خروشطی زبان میں تھا، یہ کتبہ کشان خاندان کے بادشاہ کنشک کے دور کا تھا۔ اسی نمونے کا ایک کتبہ کامرا سے بھی دریافت ہوا تھا جسے ٹیکسلا کے عجائب گھر میں رکھ دیا گیا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے دریائے سندھ کے کنارے ایک گاؤں سرکہ سے بھی پرانے زمانے کے چند سکے ملے تھے۔ اسی طرح شرقی چھچھ سے قاضی پورہ کے جنوبی ڈھیریوں سے بھی کچھ سکے دریافت ہوئے تھے اس وقت یہاں پرانے زمانے کے بت بھی پڑے ہوئے تھے۔ اسی وجہ سے اس رقبہ کو بت کا رقبہ یا مورتی میرا کہا جاتا ہے۔

موضع ویسہ کی بڑی ڈھیری جو دریائے سندھ کی جانب ہے اور اب اس پر میت دفنانے شروع کر دیئے گئے ہیں وہاں سے ایک شخص کو بت کا آدھا سر ملا تھا۔ جسے وہ چھپاتا پھرتا تھا کیوں کہ کسی نے اسے بتایا تھا کہ یہ لاکھوں روپے میں بک جائے گا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس کی مالیت کوئی خاص نہیں تھی غالباً تھوڑی مدت کا تھا، اسی خواہش پر اس شخص نے پھر دو تین جگہ کھدائی کی لیکن ہاتھ کچھ نہ آیا۔ غور غشتی سے مزید مشرق کی طرف قبلہ بانڈی ڈیم سے کچھ فاصلہ پر بدھ مت کے دور کی تعمیر شدہ دیوار کا ایک ٹکڑا اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔ یہاں سے قریب ہی جھامرا گاؤں ہے۔ یہاں ایک روایت کے مطابق ایک پتھر پر راجہ رسالو کے گھوڑے کے سم کا نشان ہے۔ وادی چھچھ میں بیسیوں قدیم ڈھیریاں اس بات کی

شاہد ہیں کہ یہاں کسی زمانے میں نہایت زبردست لوگ رہتے تھے، ایک آدھ نشان جو مل جاتا ہے یہ محض اس لیے کہ ہم جیسے غافل لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔[33]

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

اَلَمۡ یَرَوۡا کَمۡ اَهۡلَکۡنَا مِنۡ قَبۡلِهِمۡ مِّنۡ قَرۡنٍ مَّکَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ مَا لَمۡ نُمَکِّنۡ لَّکُمۡ وَاَرۡسَلۡنَا السَّمَآءَ عَلَیۡهِمۡ مِّدۡرَارًا ۪ وَّجَعَلۡنَا الۡاَنۡهٰرَ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهِمۡ فَاَهۡلَکۡنٰهُمۡ بِذُنُوۡبِهِمۡ وَاَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِیۡنَ [34]

دیکھتے نہیں کہ اس سے پہلے کتنی امتیں ہلاک کر دیں ہم نے۔ جن کو جمادیا تھا ہم نے زمین میں اتنا کہ جتنا تم کو نہیں جمایا اور ہم نے خوب بارشیں برسائیں اور بنادی ہم نے نہریں ان کے نیچے بہتی ہوئی۔ پھر ہلاک کیا ہم نے ان کو ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے۔ اور ہم نے پیدا کیا ان کے بعد بہت سی امتوں کو

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

سِيرُواْ فِي ٱلۡأَرۡضِ ثُمَّ ٱنظُرُواْ كَيۡفَ كَانَ عَٰقِبَةُ ٱلۡمُكَذِّبِينَ[35]

"سیر کرو زمین میں اور دیکھو انجام جھٹلانے والوں کا"

آثار قدیمہ کے نام پر ایک محکمہ دنیا کے تقریبا ہر ملک میں قائم ہے۔ اس پر کروڑوں روپیہ خرچ بھی کئے جاتے ہیں، تاکہ ٹیکسلا، ہڑپہ اور موہنجوداڑو کی تہذیب کے نشانات عدم ہستی سے مٹ ہی نہ جائیں۔

وادی چھچھ کی ثقافت

حضرو (چھچھ) کے پٹھان بڑے مضبوط قد آور ہیں، لمبے لمبے بال رکھتے ہیں اور بڑی بڑی پگڑیاں باندھتے ہیں۔ اکثر ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنتے ہیں، بڑے تند مزاج ہیں، کاشت کاری کرتے ہیں، گھوڑے پالتے ہیں بعض ان میں تاجر ہیں۔

چھچھ کے لوگوں کی ثقافت تقریبا وہی ہیں، جو دریائے سندھ کے پار صوبہ سرحد والوں کے لوگوں کی ہے۔ ہر گاؤں یا محلہ میں ایک حجرہ ہوتا ہے، جس کے ساتھ ایک بڑا صحن ہوتا ہے یہ مردوں کے بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے، ہر حجرہ میں ضرورت کے مطابق چارپائیاں اور بستر پڑے ہوتے ہیں۔، چلم، تمباکو اور پانی کا گھڑا بھی ہوتا ہے حجرہ گاؤں کی سیاسی اور مجلسی زندگی میں اب بھی اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ محلہ کے چھوٹے بڑے حجرہ میں بیٹھتے ہیں، اسی طرح حجرہ عدالت کا کام بھی دیتا ہے۔ جب گاؤں کے بزرگ مل بیٹھ کر چھوٹے موٹے مقدمات کا فیصلہ کرتے ہیں، تو اسے بلاچوں وچرا اس قبول کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جرگے کا فیصلہ نہ ماننا بہت بُرا سمجھا جاتا ہے۔ اب حجرہ کی بجائے مالدار لوگوں نے اپنی حیثیت کے مطابق

اپنی بیٹھکیں بنالی ہیں جہاں وہ آزادی سے ٹیلی ویژن، وغیرہ دیکھ سکتے ہیں اور کھیل کود، ورزش کی بجائے سیاسی زور آزمائی ہوتی رہتی ہے۔[36]

چھاچھی لوگ اب بھی ڈھیلے ڈھالے کپڑے پہنتے ہیں۔ پہلے کھدر پہنتے تھے اب دولت کی فراوانی اور دیکھا دیکھی کی بدولت قیمتی لباس پہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ مستوارت بھی مردوں کے مقابلے میں مہنگے لباس پہننا پسند کرتی ہیں۔ علاقہ چھچھ میں لنگی کا رواج بہت کم ہے اس کا نعم البدل ٹوپی یارومال بن گیا ہے، البتہ کندھوں پر چادر بدستور رکھتے ہیں۔ اور نوجوان چارخانہ دار چادر استعمال کرتے ہیں جسے مقامی زبان میں لنگ کہا جاتا ہے۔ عموما ہانگ کانگ، جنوبی کوریا، انڈونیشیا اور ملائیشیا کی چادر زیادہ پسند کی جاتی ہیں۔ پاؤں میں پرانی وضع کی جوتی کی جگہ تلے دار چپل، پشاوری چپل یا بوٹ نے لے لی ہے۔ البتہ غریب طبقہ پلاسٹک کے جوتے بخوشی استعمال کرتا ہے۔ ہاتھ میں چھڑی یا سوٹا چھاچھیوں کا مرغوب مشغلہ ہوتا تھا۔ یہاں کی مستورات ہریالی رنگ کی چادر اوڑھتی ہیں اس پر سرخ رنگ کے بڑے بڑے نقطے ہوتے ہیں، اسے مقامی زبان میں چھیل" کہا جاتا ہے۔[37]

چھیل کی تاریخ کے بارے میں ڈاکٹر ضیاء اللہ جدون یوں راقمطراز ہیں۔

1880ء میں صوابی کے ایک مقام شاہ منصور میں سکھوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک لڑائی ہوئی تھی جس میں مسلمانوں کی تعداد ساڑھے تین سو تھی، جن میں پچاس ہندوستانی اور تین سو لوگ مقامی پختون تھے۔ ہندوستانیوں میں سے اکثر بھاگ نکلے اور کم شہید ہوئے۔ جب کہ مقامی لوگ سب کے سب میدانِ کارزار میں شہید ہوئے اور میدان میں بے یار و مددگار پڑے ہوئے تھے۔ جب عورتوں کو پتہ چلا تو بھاگی ہوئی آئیں اور لاشوں کو درست کیا۔ اس کے بعد چونکہ ان پر مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں تو ان غیرت مند اور باحیا خواتین نے اپنی سفید چادروں سے ان نعشوں کو ڈھانپنا شروع کر دیا۔ چونکہ ان کے جسم زخموں سے چور چور تھے اس لیے ان کی سفید چادریں اسی وقت خون کے دھبوں سے سرخ ہو گئیں تھیں۔ جس کے بعد صوابی کی خواتین نے اسی رنگ کے چادر بنوا کر پہننا شروع کر دیں تاکہ ان شہداء کی یاد زندہ رہے۔ لیکن پھر اس نے رفتہ رفتہ ایک رسم کی شکل اختیار کر لی اسطرح باقی ماندہ خواتین نے بھی اپنی خون سے رنگین چادریں باہر نکال کر اوڑھنا شروع کر دیں جو ان کے پاس موجود تھیں۔ کچھ ہی عرصہ گزرا تھا کہ یہ چادر نہ صرف ڈاگئی، مرغز بلکہ اب پورے صوابی کی پہچان بن گئی۔ اس چادر کو رزڑ وال پرونے۔ ڈاگئی وال پرونے، ٹکے ٹکے چیل اور اب صوابی وال پرونے کہا جاتا ہے۔ اور حضرو (چھچھ) میں اس چادر کو چھیل کہا جاتا ہے۔ صوابی چیل کی پانچ اقسام ہیں اور مختلف علاقوں میں خواتین مختلف رنگ کی چیل چادر پہنتی ہیں۔ شاہ منصور علاقے کی خواتین سبز رنگ کی چیل (چھیل) پہنتی ہیں، مرغز اور زیدہ کی اطراف کی خواتین الگ اور ٹوپی اور گدون میں الگ رنگ کی چیل (چھیل) چادریں پہنی جاتی ہیں۔ صوابی

کی لڑکیاں زیادہ دلچسپی سفید چیل (چھیل) میں لیتی ہیں اور اسے سکول اور کالج جانے کے دوران بھی پہنتی ہیں صوابی میں 95 فیصد خواتین چیل (چھیل) چادر اوڑھتی ہیں۔[38]

چھیل کا استعمال تحصیل ٹوپی کے بعد علاقہ چھچھ میں شروع ہوا۔ اس کو اوڑھنے کا بھی ایک خاص طریقہ اور انداز ہوتا ہے۔ اسکو اتنی اہمیت حاصل ہے کے جب کسی بہن بیٹی کی شادی ہو تو ڈولی پر ڈالی جاتی ہے اور فوتگی کی صورت میں مردے پر قبر تک ڈالی جاتی ہے۔ چھچھ کی عورتوں کی اکثریت اب بھی پردہ کی پابند ہے۔ مستورات سادہ لباس اور سادہ رہن سہن پسند کرتی ہیں۔ لیکن مقام افسوس یہ ہے کہ چند دولت مند، اپنی بہو بیٹیوں کی دعوت ولیمہ اب ماڈرن ہوٹلوں اور شادی ہالوں میں منعقد کرنے لگے ہیں۔ جہاں مرد عورتوں کا اکٹھا ہجوم ہوتا ہے۔ جو ہمارے دین اور روایات کی سراسر خلاف ورزی ہے۔ چھچھ چونکہ پنجاب اور خیبر پختونخواہ کا سرحدی شہر ہے اس لیے اٹک کے لوگوں میں بالعموم جبکہ چھچھ کی عوام میں بلخصوص پنجاب اور خیبر پختونخواہ کی ثقافت کا رنگ نظر آتا ہے۔ بلکہ حضرو (چھچھ) کی تقریبا تیس فیصد سے زائد آبادی پختون عوام پر مشتمل ہے۔ جس کی وجہ دریائے سندھ کے ایک کنارے پر خیبر پختونخواہ کی تحصیل ٹوپی تو دوسرے کنارے پنجاب کی تحصیل حضرو میں علاقہ چھچھ کے باسی آباد ہیں۔ اور جی ٹی روڈ کے ایک کنارے چھچھ جبکہ دوسری جانب کامرہ واقع ہے۔ چند برس قبل تک تربیلہ ڈیم کے بننے سے پہلے سردیوں میں جب دریا سوکھ جاتا تھا یا اس کا پانی کم ہو جاتا تھا تب تحصیل ٹوپی اور علاقہ چھچھ کے لوگ باآسانی دریا پار کر کے ایک دوسرے کے ہاں آتے جاتے تھے اسی لیے ان علاقوں کی ثقافت اور رسم ورواج کافی حد تک ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔[39]

کھیلوں میں چھاچھی لوگ سب سے زیادہ کبڈی پسند کرتے تھے لیکن اب یہ کھیل آہستہ آہستہ ختم ہو رہا ہے، ،البتہ گلی ڈنڈا اور کرکٹ کا کھیل عام ہے۔ اور اب سب سے زیادہ کھیلے جانے والا کھیل والی بال ہے۔ چھاچھی لوگ سب سے زیادہ والی بال پسند کرتے ہیں۔ بچے لٹو کے مقابلے کرتے ہیں۔ چھچھ میں رشتے ناطے اب بھی والدین کی پسند وناپسند کے مطابق ہوتے ہیں۔ شادی میں خاندان، محلہ والوں اور گاؤں والوں کی دعوت کی جاتی ہے۔ جس میں حسب توفیق گائیں یا بھینسیں ذبح کی جاتی ہیں جنہیں مٹی کے بڑے بڑے برتنوں میں پکایا جاتا ہے جسے کٹوا کہا جاتا ہے۔ یہ گوشت نہایت لذیذ ہوتا ہے۔ اور ساتھ کھڈی حلوے سے تواضع کی جاتی ہے۔[40]

وادی چھچھ میں مسلمانوں کی آمد تاریخ کے آئینے میں

درحقیقت عرب وہند کے آپس کے تعلقات بہر حال پہلے سے قائم تھے اور عرب میں سندھی لوگ بھی بودوباش کرتے تھے اس لیے یہاں سندھ کے لوگ بھی اللہ تعالیٰ کے آخری نبی اور اسلام سے باخبر ہو گئے تھے اور یہ خبر صرف عوام تک محدود نہیں تھی بلکہ راجاؤں مہاراجوں تک بھی پہنچ گئی تھی۔ اسی لیے تو یہاں کے ایک مقامی راجانے دربار

نبی ﷺ میں زنجبیل (سونٹھ) کا تحفہ بھیجا تھا جیسا کہ متدرک حاکم میں ہے کہ

سیدنا ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ ہند کے ایک حکمران نے رسول اکرم ﷺ کے حضور سونٹھ یعنی ادرک کا ایک گھڑا تحفے کے طور پر بھیجا۔ آپ ﷺ نے اپنے اصحابؓ کو بھی اس کا ایک ایک ٹکڑا کھلایا۔ ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں کہ مجھے بھی ایک ٹکڑا کھلایا۔ (41)

بہر حال اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت ﷺ میں یہاں کے لوگ اسلام سے متعارف ہو چکے تھے اور اس کے ساتھ چچ سندھ کے بادشاہ چچ بن سیلائج بھی اسلام سے واقف ہو چکے تھے۔ پیغمبر ﷺ نے پانچ صحابہ کرامؓ کو یہاں بھیجا تھا جن کی وجہ سے یہاں چند لوگ مسلمان ہوئے تھے۔ ان صحابہ کرامؓ میں سے دو واپس چلے گئے اور تین یہاں سندھ میں رہ گئے تھے جنہوں نے اہلِ سندھ پر اسلام کے احکام واضح کئے اور وہ تینوں یہاں پر فوت ہوئے۔ ان کی قبریں سندھ میں موجود ہیں۔ (42)

حضرو (چھچھ) میں اصغر ایک چھوٹا سا گاؤں ہے جو دریائے سندھ کے کنارے ہنڈ کے مد مقابل واقع ہے۔ اس میں دریا کے کنارے ایک لمبی قبر "اصحاب بابا" واقع ہے جس میں کئی صحابہ کرامؓ مدفون ہیں۔ اسی طرح تاریخ وادی چھچھ کے مصنف نے بھی لکھا ہے کہ موضع اصغر میں واقع مزار اصحاب بابا کی لمبائی 26 فُٹ ہے اور یہاں کے عوام کا خیال یہ ہے کہ اس قبر کے اندر متعدد صحابہ کرامؓ مدفون ہیں۔ اسی طرح موضع یاسین میں بھی ایک مزار بنام "اصحاب بابا" مشہور ہے۔ موضع مومن پور میں بھی ایک مزار "چہل غازی" کے نام سے مشہور ہے۔ (43)

قاضی عبد العلیم اثر افغانی کی تحقیق کے مطابق وادی چھچھ میں اسلام کی ابتداء 680ء میں حضرت مہلب بن ابی صفرہ العتکیؒ ATKI کی فتوحات سے ہوتی ہے۔ العتکی خاندان قبیلہ ازدی کی ایک شاخ ہے۔ حضرت مہلب انصاری صحابی تھے۔ ان کے والد ابو صفرہؓ اور دادا عبید العتک تھے۔ اس صحابیؓ ابن صحابیؓ نے فتح وادی چھچھ کے بعد اس کے مغرب میں اپنے نام پر ایک قلعہ تعمیر کیا تھا جس کا نام العتک رکھا تھا جو بعد میں اتک اور پھر اٹک پکارا جانے لگا۔ اس اعتبار سے دریائے سندھ کے مشرق میں یہ وادی پہلا باب السلام ہے۔ حضرت مہلبؒ کے بعد اس وادی میں اسلام کا نور پھیلانے والے انہی کی نسل میں حضرت داؤد مہلبی تھے۔ تیسرے نمبر پر سلطان محمود غزنوی، چوتھے نمبر پر سید ابراہیم شاہو اور پانچویں سلطان شہاب الدین غوری تھے۔ قطب الدین عون جن کا شجرہ نسب حضرت علیؓ سے ملتا ہے اور جو ہزارہ اور پنجاب کے قطب شاہی اعوانوں کے جد امجد ہیں۔ 571ھ، 1175ء میں وادی چھچھ میں شہید ہوئے تھے یہ اس وادی میں اسلام کا پانچواں دور تھا۔

منتخب التواریخ کے بیان کے مطابق (44) حضرت مہلبؒ نے یہ حملہ 44ھ میں کیا تھا۔ 50ھ سے 571ھ تک

(680ء سے 1175ء) کے درمیانی پانچ سو اکیس (521) برسوں میں کبھی اسلام اور کبھی کفر وشرک کا غلبہ رہا۔ 571ھ،1175ء سے آج1444ھ 2022ء تک خداوند عالم کی مہربانی سے اس وادی میں اسلام کا پرچم مستقل طور پر لہرا رہا ہے۔ قبیلہ یوسف زئی مندن کے سربراہ یوسف مندن ابن شہاب الدین عمر بن معزالدین ابراہیم اور قطب الدین عون (سربراہ قطب شاہی اعوان) دونوں شہاب الدین غوری کے ساتھ جہاد میں شامل تھے۔ یوسف مندن595ھ–1199ء میں فتح دہلی کے جہاد میں شہید ہوئے۔ ان کا مزار مبارک لاہور (ضلع صوابی خیبر پختونخواہ) قصبہ کے وسط میں واقع ہے۔ 1098ء میں سلطان محمود غزنوی اور راجہ انندپال کی لڑائی وادی چھچھ کے تقریباً وسط میں حضرو کے قرب وجوار میں لڑی گئی۔ انندپال نے اس لڑائی کے لیے ہندوستان کے تمام راجوں مہاراجوں کو ان کے لاؤلشکر سمیت جمع کیا تھا لیکن تمام راجے مہاراجے شکست فاش کھا کر میدان جنگ سے بھاگ گئے۔ انندپال کشمیر کی طرف بھاگ گیا۔ انندپال سے پہلے سلطان محمود غزنوی نے اس کے باپ جے پال کو پشاور کے قریب شکست فاش دی تھی۔ سلطان محمود غزنوی نے ہنڈ کے مقام پر جے پال کو گرفتار کر لیا تھا۔[45]

تاریخ اسلام کے مصنف فقیر کرم الٰہی صوفی نے پرانی تواریخ کے حوالہ سے اس جنگ کا موقع حضرو کا میدان لکھا ہے۔ سلطان محمود غزنوی کی فوج کے دائیں بازو کی کمان ارسلان جاذیب کے پاس تھی جبکہ بائیں بازو کی کمان عبداللہ طائی جیسے نڈر جرنیل کے ہاتھ میں تھی، اس لڑائی میں تیس ہزار غیر مسلم گکھڑ بھی راجہ انندپال کے امدادی تھے اور فرطِ جوش سے ننگے پاؤں لڑ رہے تھے، گھمسان کی لڑائی ہوئی، قریب تھا کہ سلطان محمود غزنوی کو شکست ہو جاتی کہ اچانک انندپال کے ہاتھی کو ایک سخت تیر لگا جس سے وہ بدک کر میدان جنگ سے بھاگ نکلا۔ اپنے راجہ کو بھاگتے ہوئے دیکھ کر اس کی فوج بھی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ نکلی۔ اس جنگ میں سلطان محمود غزنوی کے ہاتھ بے انداز مال غنیمت آیا۔ جرنیل عبداللہ طائی اور ارسلان جاذیب نے تعاقب کر کے مزید آٹھ ہزار کفار قتل کر ڈالے۔ یہی وہ جنگ تھی جس نے ہندوستان کی تاریخ ایک ہزار سال تک بدل ڈالی۔ اس کے بعد سلطان محمود غزنوی نے نگر کوٹ (بھیم گھر) پر حملہ کیا اور اس کو تین دن میں فتح کر لیا تھا۔ نگر کوٹ کو آجکل کانگڑہ کہا جاتا ہے۔ نگر کوٹ کا قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر واقع تھا، انندپال یہاں کے قلعہ میں بند ہو گیا تھا، محمود غزنوی کے حملے کے بعد راجہ انندپال یہاں سے بھی بھاگنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس وادی (چھچھ)، ہزارہ اور سوات میں افغانوں کا ورود سلطان محمود غزنوی کے عہد سے شروع ہوا۔[46]

1205ء میں سلطان شہاب الدین محمد غوری کا اس وادی سے گزر ہوا۔ اس نے دہلی کی فتح کے بعد قطب الدین ایبک کو دہلی کا پہلا مسلمان حکمران مقرر کیا۔ سلطان قطب الدین ایبک نے دیگر عمارات کے علاوہ دہلی میں ایک عالیشان مسجد بنائی جس کا نام مسجد 'قوت الاسلام' رکھا جسکے آثار آج بھی پرانی عظمت کی یاد دلاتے ہیں۔ قطب الدین ایبک کا تعلق

مردانی قبیلے سے تھا۔ سلطان قطب الدین ایبک پولو کھیلتا ہوا گھوڑے سے گر کر فوت ہوا تھا، اس کا مقبرہ لاہور کے انار کلی بازار میں واقع ہے۔(47)

مشہور سیاح البیرونی کے بیان کے مطابق کابل سے حسن ابدال تک ایک ملک تصور ہوتا تھا، کچھ مؤرخین کے بیان کے مطابق کشمیر، مارگلہ اور کابل کا علاقہ ایک ہی ملک تصور کیے جاتے تھے، ظاہر ہے وادی چھچھ بھی اسی کا ایک حصہ تھا۔ امیر تیمور اور بابر بادشاہ بھی یہاں سے گزرے۔ بابر جب دوبارہ 1526ء میں سیالکوٹ جانے کی غرض سے یہاں سے گزر کر دریا ہرو کے ساتھ ساتھ پیدل چلتا ہے تو اپنی خودنوشت تزک بابری میں اس علاقے کی خشک سالی کا ذکر بھی کرتا ہے۔ کہا جاتا ہے، اٹک کے نواح میں بابر نے چیتے کا شکار کیا تھا (48)۔ ہمایوں بادشاہ کے عہد میں افغانوں کے سردار گجو خان نے دریائے سندھ عبور کر کے سجنڈہ باٹا، پنڈی گھیب اور ہزارہ کے علاقوں پر قبضہ کیا۔ جبکہ مغل بادشاہ محمد اکبر نے یوسف زئی قبائل کو دبانے کی خاطر 1581ء میں موجودہ قلعہ اٹک تعمیر کرایا۔ اٹک کے قریب ہی دریائے سندھ پر کشتیوں کا پل بنوایا اور پٹھانوں میں پھوٹ ڈالنے کی خاطر محصول کا ٹھیکہ خٹک قبیلہ کے سردار ملک اکوڑ کو دے دیا۔ ملک اکوڑ مشہور جنگجو شاعر خوشحال خان خٹک کا دادا تھا۔ اسی کے نام سے اکوڑہ خٹک کا قصبہ دریائے کابل کے کنارے اب بھی موجود ہے۔ اکبر بادشاہ نے مزید خٹک قبائل کو ہاٹ کے علاقہ سے یہاں منتقل کرائے جس کا فوری نتیجہ یہ نکلا کہ یوسف زئی اور خٹک قبائل ہمیشہ کے لیے باہم دست و گریباں ہو گئے۔ ان لڑائیوں میں خوشحال خان خٹک اور مغل حکمرانوں میں ٹھن گئی تو خوشحال خان کے خاندان اور قبیلہ والوں کو یوسف زئیوں نے اپنے علاقہ میں پناہ دی۔ تقسیم کرو اور حکومت کرو کا الزام عام طور پر برطانوی سامراج کے سر تھوپا جاتا ہے لیکن اکبر بادشاہ کی اس حکمت عملی سے معلوم ہوا کہ مغل حکمران بھی یہ فارمولا استعمال کرتے تھے۔ اٹک قلعہ اور پل بن جانے کے بعد پشاور کابل اور لاہور کی آمد ورفت اس راستہ سے ہونے لگی۔ اس سے پہلے آنے جانے کا راستہ ہنڈ (اوہند) ضلع صوابی سے گزرتا تھا جس کے بالمقابل وادی چھچھ میں ہارون نامی گاؤں ہے جو حضرو سے تقریباً چار میل شمال کی جانب دریائے سندھ کے کنارے آباد ہے۔

قلعہ اٹک کے بن جانے کے بعد صدیوں پرانا راستہ متروک ہو گیا۔ اکبر نے بھی اپنے دادا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اٹک کے نواح میں شکار کیا تھا لیکن اس کا شکار مارخور تھا جو ہرن کی ایک خاص قسم ہے۔ 'تزک جہانگیری' کے بیان کے مطابق 15 محرم 1015ھ، 1607ء جہانگیر بادشاہ نے حسن ابدال سے روانہ ہو کر وادی چھچھ میں ہروئی کے مقام پر پڑاؤ کیا یہاں اسے بہت عمدہ اور ہموار سبزہ نظر آیا۔ یہ میدان ہر قسم کی ناہمواری سے پاک تھا(49)۔ اسی موضع اور اس کے نواح میں گکھڑ اور دلازاک قوم کے آٹھ ہزار گھرانے آباد تھے۔ جو طرح طرح کے فتنہ و فساد، چوری اور رہزنی کا کام کرتے تھے لہذا اس نے حکم دیا کہ اس علاقے کی عملداری اور اٹک کی سرکاری عملداری ظفر خان ولد زین خان کوکہ کے سپرد کی

جائے. جو بادشاہ کے کابل واپسی تک کے عرصہ میں دلازاک قوم کے لوگوں کو اٹھوا کر لاہور لے جائے جہاں اس قوم کے سرداروں کو نظربند کر کے رکھا جائے۔[50]

شاہ جہان بادشاہ کے عہد میں چونکہ امن تھا افغانوں اور مغل حکمرانوں کے مابین کوئی خاص چپقلش نہیں تھی، لہذا پٹھانوں کے اکثر قبائل اس دور میں دادی چھچھ میں آباد ہوئے۔ قلعہ اٹک کی تعمیر سے پہلے وادی چھچھ کا تعلق کشمیر سے رہتا تھا۔ قلعہ اٹک کی تعمیر کے بعد اس علاقے کے مالی اور دیگر انتظامی امور اٹک میں طے ہوتے تھے۔ قبیلہ خدو خیل کے مشہور سردار بہاکو خان کو یوسف زئی علاقہ کا بندوبست شاہجہان بادشاہ نے سونپا تھا اس سلسلہ میں 1068ھ کو ایک شاہی فرمان بھی جاری کیا گیا تھا۔ ان تعلقات کی بنا پر یوسف زئیوں کی طرف سے شاہ جہاں بادشاہ کی دستار بندی بھی کی گئی تھی۔[51]

علاقہ چھچھ میں پٹھانوں کی آمد

محقق خواجہ محمد اسد کے نزدیک اس علاقہ میں پٹھان سلطان محمود غزنوی کے ساتھ آئے اور یہیں آباد ہو گئے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ہمارے جد امجد امیر حاضر خان اپنے سات بیٹوں سمیت شامل لشکر تھے۔ لشکر جب دارالحکومت ہنڈ (وے ہند) کے مقام پر پہنچا تو امیروں کے باہم مشورہ سے امیر حاضر خان کو ہر اول دستے کی کمان سونپی گئی۔ جب یہ علاقہ فتح ہو گیا تو سلطان محمود نے بطور جاگیر یہ علاقہ امیر حاضر خان کو دے دیا۔[52]

سید احمد بریلویؒ کے مجاہدین کی حضرو آمد

خان خادی خان ساکن ہنڈ اور محمد امیر خان ساکن اکوڑہ خٹک کے مشورہ پر مسلمانوں نے حضرو شہر پر رات کو حملہ کرنے کے لیے ایک چھاپہ مار دستہ تشکیل دیا۔ سید احمد بریلوی نے شیدو کی مشہور لڑائی کے بعد حضرو کو دوسرا نشانہ بنایا جو اس وقت مالدار ہندوؤں اور سکھوں کا گڑھ تھا۔ سکھوں کا قلعہ موجودہ گاؤں پیر داد کے قریب تھا، اچانک آدھی رات کو مجاہدین نے حملہ کیا اور کافی سارا مال و متاع سمیٹ کر واپسی کی راہ لی۔ سکھوں کا جرنیل اس وقت بدھ سنگھ تھا۔ اس نے گھبراہٹ میں اپنی قیام گاہ چھوڑ کر دوسری جگہ پناہ لی۔ اس حملہ کے بارے میں سید احمد بریلوی نے والی کابل سردار دوست محمد خان کو ایک خط بھی لکھا تھا جو مولوی محمد جعفر تھانیسری نے مکتوبات سید احمد شہید میں درج کیا ہے۔ خط درج ذیل ہے۔

> "ان علاقوں کے مسلمانوں نے دریائے سندھ عبور کر کے حضرو شہر پر حملہ کر دیا۔ حضرو اس علاقے کے کافروں کا مرکز اور دولت مندوں کا ملجہ و ماوی تھا، اس میں چار سو افراد کو جہنم رسید کیا گیا۔ نفیس نفیس اشیاء اور بہت مال و دولت عام لوگوں کے اس قدر ہاتھ آیا جو تقریر و تحریر میں نہیں آسکتا"۔[53]

وادی چھچھ میں افغان مہاجرین کی آمد

آج سے چند سال قبل پاکستان میں افغانستان کے مہاجرین کا زبر دست ریلا آیا اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں روسی کمیونسٹوں کی پشت پناہی سے افغانستان کا کمیونسٹ ٹولہ بر سر اقتدار آ گیا۔

پاکستان کے دیگر علاقوں کی طرح وادی چھچھ میں بھی جگہ جگہ افغان مہاجرین نے مع اہل وعیال ڈیرے لگا لیے، چند خاندانوں کو موضع ویسہ فور ملی، سر کہ دامان کامل پور موسی، تاجک، شینکہ نر توپہ اور غور غشتی وغیرہ میں جگہ ملی، جبکہ اکثریت غازی کیمپ میں رہنے لگے۔ البتہ کچھ خاندان جن کے پاس بھیڑ بکریوں کے ریوڑ ہیں۔ وہ کھیتوں میں ہی ڈیرہ لگائے ہوئے ہیں۔ شروع کے پونے دو سال میں افغانستان میں تین انقلاب آئے پہلے انقلاب میں سردار داؤد خان، صدر افغانستان کی رہائش گاہ پر بمباری کر کے اسے بال بچے سمیت ہلاک کیا گیا۔ اس کی جگہ نور محمد ترکئی صدر بنا۔ ترکئی کے قتل کے بعد حفیظ اللہ امین صدر بنا، حفیظ اللہ امین کے مرنے کے بعد ببرک کارمل کے صدر بننے کی خبر آئی، جس کے ساتھ ہی روسی ٹینک اور توپ خانہ افغانستان میں داخل ہو گیا، کہا جاتا ہے کہ ببرک کارمل کی درخواست پر روسی فوجیں ان کی مدد کے لیے افغانستان میں داخل ہوئی تھیں۔ مجاہدین افغانستان نے بے سر و سامانی کے باوجود چھاپہ مار جنگ کا آغاز کر دیا، جس کی بناء پر مزید روسی فوج بھیجی گئی اور روس کے ہوائی جہازوں اور ہیلی کاپٹروں نے اندھا دھند بمباری جاری رکھی 1986ء میں ببرک کارمل کو ناکام، دیکھ کر روسیوں نے ڈاکٹر نجیب اللہ کو صدر بنایا، اسی اثناء میں مجاہدین کو متعدد جگہوں پر کامیابیاں حاصل ہونے لگیں۔ اقوام متحدہ، غیر جانبدار کانفرنس، اسلامی سربراہی کانفرنس کی متعدد اپیلوں کے باوجود روسی فوجیں اپنی طاقت کی گھمنڈ میں ڈٹی رہیں۔ 1917ء میں روس کے کمیونسٹ انقلاب کے بعد روس نے ترکستان کی متعدد اسلامی حکومتوں میں پھوٹ ڈال کر انہوں نے تاشقند، سمرقند، خوقند، بلخ اور بخارا پر قبضہ کر لیا تھا۔ اب یہی تجربہ افغانستان اور پاکستان کے قبائل میں دہرانے لگے تھے لیکن ہم نام کے مسلمان ہیں ان سامراجیوں کے ہتھکنڈے ابھی تک سمجھ نہ سکے باوجود یہ کہ تاریخ ہمارے سامنے ہے لیکن پھر بھی ہم عبرت نہیں پکڑتے۔

روسیوں کو جب اپنی شکست فاش کا احساس ہوا تو 14 اپریل 1988ء کو جنیوا شہر کے مقام پر فوجی انخلاء کی بابت معاہدہ پر دستخط کر لیے، پاکستان کے سابق وزیر اعظم محمد خان جونیجو نے زین نورانی کو پاکستان کی طرف سے نمائندہ بنا کر بھیجا تھا، معاہدہ کے تحت روسی فوجیں 15 فروری 1989ء کو بلا حیل و حجت افغانستان سے چلی گئیں۔ مجاہدین نے عبوری حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا۔ پروفیسر صبغت اللہ مجددی اس کے صدر مقرر ہوئے، کئی ممالک نے مجاہدین کی عبوری حکومت کو تسلیم بھی کر لیا تھا۔[54]

خلاصہ بحث

موجودہ پاکستان کے شمال مغربی حصے میں واقع وادی چھچھ کا ایک بھرپور اور متنوع جغرافیائی پس منظر ہے جس نے اپنی تاریخ کی تشکیل میں خاص طور پر مسلمانوں کی آمد اور اثر ورسوخ کے حوالے سے اہم کردار ادا کیا ہے۔ یہ خلاصہ بحث وادی چھچھ کے جغرافیائی تناظر اور اسلامی تاریخ کے عینک سے اس کی تاریخی تبدیلی کا ایک جائزہ فراہم کرتی ہے۔

وادی چھچھ اپنے دلکش منظر نامے، زرخیز میدانوں، گھمبیر ندیوں، اور سبز کھیتوں کے لیے مشہور ہے۔ اس کی جغرافیائی خصوصیات نے اسے آبادکاری اور زراعت کے لیے ایک پرکشش خطہ بنادیا ہے۔ وادی کا مقام، جو مختلف تاریخی سلطنتوں اور تجارتی راستوں کے درمیان واقع ہے، نے اسے ثقافتوں اور تہذیبوں کا پگھلنے والا برتن بنادیا ہے۔

وادی چھچھ میں مسلمانوں کی آمد برصغیر پاک وہند میں اسلامی پھیلاؤ کی وسیع تر تاریخ کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔ مسلمانوں کی ہجرت اور فتوحات کی مختلف لہروں نے خطے پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ ان میں ابتدائی عرب تاجر، غزنوی اور غوری کے حملے اور اس کے بعد دہلی سلطنت اور مغل حکومت کا قیام شامل ہے۔

وادی چھچھ کے مسلمانوں نے نہ صرف اسلامی ثقافت اور علم کو پھیلانے میں اپنا حصہ ڈالا ہے بلکہ خطے کی زرعی اور اقتصادی ترقی میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ وادی کی مقامی ثقافت کے ساتھ اسلامی روایات کے امتزاج نے ایک منفرد ثقافتی امتزاج کو جنم دیا ہے جو آج تک برقرار ہے۔ وادی چھچھ میں مسلمانوں کا تاریخی سفر برصغیر پاک وہند کی وسیع تر تاریخی داستان کا آئینہ دار ہے۔ یہ خطوں اور تہذیبوں کی تقدیر کو تشکیل دینے میں جغرافیہ، ثقافت اور مذہب کے درمیان پیچیدہ تعامل کی مثال دیتا ہے۔ یہ وادی جنوبی ایشیا میں اسلام کی پائیدار میراث اور تاریخ کے دھارے کی تشکیل میں اس کے کردار کے ثبوت کے طور پر کھڑی ہے۔

مصادر ومراجع

(1) *Punjad District Gazetters, RAWALPINDI DISTRICT, 1893-94, Published under the Authority of the panjab Government, Page,2*

(2) ارشد محمود ناشاد، چھاچھی بولی اٹک، پنجابی ادبی سنگت، دسمبر 2004ء، ص14

Arshad Mahmood Nashad, Chachahi Polytechnic, Punjabi Literary Syndicate, December 2004, p. 14

(3) برصغیر میں نو آبادیاتی طاقت ہونے کے باوجود انگریزوں نے پنجاب کے اضلاع کے تفصیلی گزیٹیئر مرتب کر کے ان کی اشاعت میں کامیابی حاصل کی جو اب بھی اضلاع کی تاریخ وثقافت سے متعلق مستند حوالوں کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ یہ گزیٹیئر سب سے اہم اور مستند دستاویز کے طوپر متعلقہ ضلع کی تاریخ جغرافیہ آبادی روایات معیشت اور زراعت جیسی تمام

متعلقہ تفصیلات کا احاطہ کرتے ہیں تاہم قیام پاکستان کے بعد اس سلسلے میں زیادہ کام نہیں کیا جاسکا اور یوں یہ خوبصورت روایت تاریخ کے دھندلکوں میں گم ہو گئی۔

(4) پیر معظم شاہ، تواریخ حافظ رحمت خانی افغان قبائل اور ان کی تاریخ،(مترجم، خان روشن خان) پشتو اکیڈمی سلسلہ مطبوعات نمبر 51 پشاور یونیورسٹی، طبع دوم 1977ء، ص576

Pir Moazzam Shah, History of Hafiz Rahmat Khani Afghan Tribes of Ur Anki History, (translator, Khan Roshan Khan), Pashto Academy, Series of Publications No. 51, Peshawar University, printed in 1977, p. 576

(5) سکندر خان، تاریخ وادی چھچھ. ملی کتب خانہ ویسہ حضرو، طباعت پنجم، 2015ء، ص26

Sikandar Khan, The History of the Valley of Chacheng, written by Wisa Hazru Khan, Punjam Printing, 2015, p. 26.

(6) نذیر رانجھا، تذکرہ علمائے چھچھ، مشتاق پریس لاہور 2007، ص28

Nazir Ranjha, Remembering the Scholars, Mushtaq Press Lahore 2007, p. 28

(7) *Punjad District Gazetters, ATTOCK DISTICT, part A with maps 1930, Published under the Authority of the panjab Government, Page.6*

(8) نذیر رانجھا، تذکرہ علمائے چھچھ، ص29

Nazir Ranjha, Remembering the Scholars of Iran, p. 29

(9) کتاب چچ نامہ قاضی محمد اسماعیل بن علی کی تالیف ہے جو سندھ کی فتح کے بعد محمد بن قاسم کی طرف سے اروڑ کے قاضی مقرر کیے گئے تھے۔ بعد ازاں اس کتاب کو علی بن محمد حامد بن ابو بکر کوفی 613ھ میں عربی سے فارسی زبان میں ترجمہ کیا علی بن محمد حامد بن ابو بکر کوفی اوچ میں پیدا ہوئے اور یہیں ان کی تعلیم تربیت ہوئی۔ ناصر الدین قباچہ کے عہد میں حکومت میں انہیں بڑی پزیرائی ملی۔ علی بن حامد بن ابو بکر کوفی کا انتقال بھی اوچ میں ہوا۔ (فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ مترجم اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ 1923 ص2)

Fath name, Sindh, define the name, translated by Akhtar Rizvi, Sindh Literary Board, 1923, p. 2.

(10) *Punjad District Gazetters, ATTOCK DISTICT, part A with maps 1930, Published under the Authority of the panjab Government, Page:318*

(11) نذیر رانجھا، تذکرہ علمائے چھچھ، ص29

Nazir Ranjha, Remembering the Scholars of Iran, p. 29

(12) "سیاحت نامۂ کشمیر و پنجاب" اُس دور سے تعلق رکھتا ہے جب ایسٹ انڈیا کمپنی کی توسیع پسندانہ پالیسی شمال مشرق کی طرف تیزی سے عمل پیرا تھی۔ دوسری طرف 1819ء میں کشمیر پر رنجیت سنگھ کا تسلط قائم ہو گیا تھا اور یہ ریاست پنجاب کا حصہ بنادی گئی تھی۔ انگریزوں کے لیے رنجیت سنگھ کا ادھر بڑھتے جانا بھی تشویش کا باعث رہا چنانچہ کئی سیاح کشمیر کی سیاحت میں مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ بیرن ہیوگل آسٹریا کی حکومت کی فوجی ملازمت میں رہا۔ اگرچہ بیرن دیگر سیاحوں کی طرح سیاحت سے بھی دلچسپی رکھتا تھا لیکن اس کا بنیادی مقصد کشمیر کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کرنا تھا۔ اس سفر کے مقاصد میں کشمیر کے فوجی ٹھکانوں کے بارے میں معلومات فراہم کرنا، برطانیہ کی

عمل داری سے براہِ راست کشمیر کی طرف راستے کا جائزہ لینا، کشمیر کی داخلی صورتِ حال اور رنجیت سنگھ کی شدید بیماری کی وجہ سے سلطنت کی صحیح حالت کا اندازہ لگانا بھی شامل تھا۔ بیرن فوجی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک منجھا ہوا سیاست دان اور مستشرق بھی تھا۔ "سیاحت نامۂ کشمیر و پنجاب" سٹڈ کارڈ (Stuttgartd) سے 1840ء سے 1842ء تک چار جلدوں میں شائع ہوئی۔ اصل جرمن کتاب کی دوسری جلد کشمیر کی قدیم تاریخ پر مشتمل تھی جس میں زیادہ تر ایچ۔ وِلسن کی تحریروں پر بھروسہ کیا گیا تھا۔ اس کتاب کی صرف دوسری اور چوتھی جلد کا انگریزی میں ترجمہ "Travels in Kashmir & the Punjab" کے نام سے کیا گیا، جس کا اُردو ترجمہ محمد حسن صدیقی نے ڈاکٹر وحید قریشی کی فرمائش پر کیا ہے۔ (بیرن چارلز ہیوگل سیاحت نامۂ کشمیر و پنجاب اردو مترجم محمد حسن صدیقی، مجلس ترقی ادب نرسنگھ داس گارڈن کلب روڈ لاہور، سطن، ص 11)

Bern Charles Google's Tourism of Kashmir and Punjab, Urdu, translated by Muhammad Hassan Siddiqi, Council for the Promotion of Narsingh Literature, Das Jardin Kalb Road, Lahore, Istanbul, p. 11

(13)*Baluchistan District Gazetters , Vol u m e s VI I an d VI I -A with maps 1907, Bom Bay Pri nted at the times press, Page,57*

(14) نذیر رانجھا، تذکرہ علمائے چھچھ، ص 31

Nazir Ranjha, Remembering the Scholars of Iran, p. 31

(15) نورالدین جہانگیر بادشاہ، تزک جہانگیری (مترجم سید احمد علی رامپوری)، انجمن ترقی اردو دہلی، سطن، ص 80

Nour al-Din Jahangir Badshah, Tazak Jahangiri (translated by Sayyid Ahmad Ali Rampuri), Anjman Tarqiyya Urdu Deli, Satan, p. 80

(16) حافظ رحمت خان، خلاصۃ الانساب، (مترجم، محمد نواز طائر) پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی، سطن، ص 35

Hafiz Rahmat Khan, Khulasiyat al-Ansab, (translator, Muhammad Nawaz Ta'ir), Pashto Academy of Peshawar University, Istanbul, p. 35.

(17) محمد حیات خان، حیاتِ افغانی، د سرحدونو چارووزارت دنشراتو او فرہنگی چارو ریاست کابل، 1979ء، ص 261

Muhammad Hayat Khan, Hayat Afghani, Dr. Sarhadonu Charo and the Ministry of Culture and Culture of Kabul, 1979, p. 261

(18) حافظ رحمت خان، خلاصۃ الانساب، (مترجم، محمد نواز طائر) ص 577

Hafiz Rahmat Khan, Khulasa al-Ansab, (translated by Muhammad Nawaz Ta'ir), p. 577

(19) اللہ بخش یوسفی، تاریخ افغان یوسف زئی، محمد علی ایجوکیشنل سوسائٹی اقبال کالونی کراچی 1960 ص 107

Allah Bakhsh Yousfi, History of Afghanistan, Yousef Zaei, Muhammad Ali, Economic Society, Iqbal, Colony, Karachi, 1960, p. 107.

(20) خواجہ محمد خان اسد، چھچھ تاریخ کے آئینے میں (مضمون)، مشمولہ سہ ماہی العلم کراچی، جلد 43، شمارہ ۱

Khawaja Muhammad Khan Asad, History of the Day of Resurrection (Guaranteed), Covered in the History of Knowledge, Karachi, Volume 43, Shamarah, 1

(21)*Punjad District Gazetters, ATTOCK DISTICT, part A with maps 1930, Published under the Authority of the panjab Government, Page,226*

(22) منشی امین چند، سفرنامہ لاہور، مطبع کوہِ نور، طبع دوم، 1859ء، ص 109

manshi 'amin tshandi, mahfuz nam lahur, matbaeat kuh nur, tibaeat dum, 1859hi, P:109

(23)*Punjad District Gazetters, ATTOCK DISTICT, part A with maps 1930, Published under the Authority of the panjab Government, P,13*

(24) محمد قاسم فرشتہ ،تاریخ رشتہ ،مترجم عبدالحی خواجہ ایم اے، مکتبہ دیوبند یوپی اشرفی آمینٹ پرنٹرس دیوبند 1983ء، 1/720

muhamad qasim firishtihi, tarikh rashta, tarjamat eabd alhayi khawajat mi, maktab dyuband 'ashrafi amint mutabie dyuband 1983, 1/720

(25) سکندر خان، تاریخ وادی چھچھ ، براڈویژن انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن، شاہ ڈھیرا، جون 2017ء، ص30

sikindar khan, tarikh wadi tshatsh, maehad brudfijin liltaelimi, shah dira, yuniu 2017, s 30

(26) ضیاء اللہ جدون، صحابہ کرام پاکستان میں، مکتبہ عزیزیہ سلام کتب مارکیٹ علامہ بنوری ٹاون کراچی، طبع سوم، 2022ء، ص121

dia' allah jadun, alsahabat fi bakistan, maktabat ale:ziziat suq kutub alsalam alealaamat binuri tawn karatshi, altabeat althaalithata, 2022, P 121.

(27) *https://ur.wikipedia.org/wiki/ accessed on 23rd Jun, 2022.*

(28) سکندر خان، تاریخ وادی چھچھ ، ص35

Sikanderkhan, History of the Chacha Valley, p. 35

(29) اللہ بخش یوسفی، تاریخ افغان یوسف زئی، ص106

Allah Bakhsh Yousfi, History of Afghanistan Yusufzaei, p. 106

(30) القرآن، 49:26

Qur'an, 49:26

(31) صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب ھل یدخل النساء والولد فی الاقارب، حدیث نمبر 2753

Sahih Bukhari, Book of Commandments, Chapter: Should women and children be included among relatives, Hadith No. 2753

(32) ڈسٹرکٹ ایجوکیشن آفس اٹک، ریکارڈ 2022ء

District Ego Kitchen Office Tech, Rickard 2022

(33) سکندر خان، تاریخ وادی چھچھ ، ص44

Sikanderkhan, History of the Chacha Valley, p. 44

(34) القرآن، 4:6

Qur'an, 4:6

(35) القرآن، 11:6

Qur'an, 11:6

(36) انٹرویو، ارسلان خان موضع ویسہ بمقام حجرہ، 5 مئی 2022ء

INTERVIEW, Arslan betrayed the place of Wasa in the shrine of Hujra, 5th May 2022

(37) انٹرویو، دلاور موضع کالوخورد، 5 مئی 2022ء

INTERVIEW, Dilawar, place of Kalo Khurd, 5th May 2022

(38) ڈاکٹر ضیاء اللہ خان جدون، تاریخ صوابی، نورخان جدون ریسرچ سنٹر بیسک گدون صوابی پختونخوا، طبع دوم 2020ء، ص 105-106 ملخصاً

Dr. Ziaullah Khan Jadoon, History of Sawabi, Noorkhan Jadoon Research Center for Sawabi Pakhtunkhwa, 2020 edition, pp. 105-106, summary.

(39) انٹرویو، مراد خان موضع ہارون، 6 مئی 2022ء

Inter veiw, Murad Khan Maḥān Harun, 6May 2022

(40) سکندر خان، تاریخ وادی چھچھ، ص 274

Skanderkhan, History of the Chacha Valley, p. 274

(41) محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری، مستدرک علی الصحیحین، دار الکتب العلمیہ بیروت، طبع اول، 1990ء، حدیث نمبر 7190، 150/4

Muhammad bin Abdullah Hakim Neyshapuri, Mustadrak Ali al-Sahihayn, Dar al-Kutub al-Ilmiyyah, Beirut, first edition, 1990, Hadith No. 7190, 4/150

(42) قاضی اطہر مبارک پوری، العقد الثمین، مؤسسۃ الرسالۃ بیروت، 1986ء، ص 31

Qazi Athar Mubarak Puri, The Precious Contract, Al-Risala Foundation, Beirut, 1986, p. 31.

(43) ضیاء اللہ جدون، صحابہ کرام پاکستان میں، ص 149

Ziaullah Jadon, Noble Companions of Pakistan, p. 149

(44) ملا عبد القادر بدایونی، منتخب التواریخ (مترجم، علیم اشرف خان)، قومی کونسل برائے فروغ اردوزبان نئی دہلی، 2008ء، ص 138

Mulla Abd al-Qadir Badayouni, Muntakhab al-Tawarikh (translated by Alim Ashraf Khan), Qawmi Council Bara' Forugh Erdouzban New Delhi, 2008, p. 138

(45) اللہ بخش یوسفی، تاریخ افغان یوسف زئی، ص 200

Allah Bakhsh Yusufi, History of Afghanistan Yusufzai, p. 200

(46) فقیر کرم الٰہی صوفی، ہندستان کی تاریخ عہد افغانیہ، حمیدیہ سٹیم پریس لاہور، سطن، 88/1

Fakir Karam Allahi Sufi, Hindustan ki Tarikh Eid Afghaniyeh, Hamidiyah Steam Press Lahore, Istanbul, 1/88

(47) سید سلیمان ندوی، تاریخ سندھ، دار الاشاعت اردوبازار کراچی، سطن، ص 62

Syed Suleiman Nadvi, History of Sindh, Dar Al-Ishaat, Ardubazar Karachi, Sitan, p. 62.

(48) ظہیر الدین بابر، تزک بابری (مترجم، رشید اختر رضوی) مکتبہ الحسنات دہلی، 2002، ص160

Zahiruddin Babur, Tazak Babri (translator, Rashid Akhtar Rizvi), Al-Hasanat Library, Delhi, 2002, p. 160

(49) نورالدین جہانگیر بادشاہ، تزک جہانگیری (مترجم سید احمد علی رامپوری)، انجمن ترقی اردو دہلی، سطن، ص91

Nour al-Din Jahangir Badshah, Tazak Jahangiri (translated by Sayyid Ahmad Ali Rampuri), Anjman Tarqih Urdu Dehli, Satun, p. 91

(50) اللہ بخش یوسفی، تاریخ افغان یوسف زئی، ص78

Allah Bakhsh Yusufi, History of Afghanistan Yusufzai, p. 78.

(51) حافظ رحمت خان، خلاصۃ الانساب، (مترجم، محمد نواز طائر) پشتو اکیڈمی پشاور یونیورسٹی، سطن، ص46

Hafiz Rahmat Khan, Khulasiyat al-Ansab, (translator, Muhammad Nawaz Ta'ir), Pashto Academic Peshawar University, Istanbul, p. 46

(52) نذیر رانجھا، تذکرہ علمائے چھچھ، ص32

Nazir Ranjha, Remembering the Scholars of Islam, p. 32

(53) سید احمد شہید، مکاتیب، سید احمد شہید اکیڈمی لاہور، 1975ء، ص97

Sayyid Ahmad Shahid, Makatib, Sayyid Ahmad Shahid, Lahore, 1975, p. 97

(54) روزنامہ جنگ، منگل 18 رمضان المبارک 1409ھ، 25 اپریل 1989ء

Rose Nameh Jung, Mengal, 18 Ramadan 1409, 25 April 1989